جس تعلیمی ادارے کے ارباب حل وعقد کے عزائم اتنے بدترین ہیں، ان کے ہاتھ میں قومی مستقبل (نظام تعلیم) کی کلید تھام دینے کا جرم کس قدر خطرناک اور دُوررس اثرات کا حامل ہوگا؟!

بہرحال محبّ وطن ومحبّ اسلام دانشور و سیاسی و دینی زعماء نیز پاکستان کے تعلیمی بورڈ (Board of Education) کے علاوہ دیگر ذمہ دار حضرات اور پارلیمنٹ وسنیٹ کے باضمیر ممبران کو حکومت پر دباؤ ڈالنا ضروری ہے کہ ان بیرونی سازشی عناصر کی تخریبی کارروائیوں اور مفسدانہ عزائم سے باز رکھنے پر مجبور کیا جائے۔اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آزادانہ حیثیت اوراس کے مستقبل کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے دورحاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک خودمختار پاکستانی نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے اقدامات کریں اوراس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے بھرپور معاونت فراہم کر کے ملک میں اسلامی اقدار، دیانت داری، رواداری اور شرافت وانسانیت کو فروغ دینے کی ذمہ داری پوری کریں۔ جو ملک اپنے ہی سپوتوں کے ذریعے، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کارلا کر ایٹم بم اور دیگر پیچیدہ ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کرسکتا ہو، اس کے لیے نظام تعلیم کی اصلاح کرنا اور نصاب تعلیم تشکیل دینا کون سا مشکل کام ہے!! ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ غلامانہ ذہنیت سے دستبردار ہو جائیں۔

## لمحۂ فکریہ!

شمالی علاقہ جات میں نصاب تعلیم کو فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کرنے والے عناصر کے لیے سوچنے کا مقام ہے کیا ہم اس قسم کے ایجی ٹیشن کے متحمل ہوسکتے ہیں؟! یہ بات ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ شمالی علاقہ جات ویسے بھی کئی بادشاہ بے ملک کو سلطنت فراہم کرنے کی استعماری سازشوں کی بازگشت عرصے سے چلا آرہا ہے اوراس کے لیے زمین ہموار کی جارہی ہے۔ ان قوتوں کے سفارتکاروں کا وقتاً فوقتاً علاقے کے نجی دورے پر آتے رہنا معمول کی بات ہے۔ پچھلے مہینوں میں امریکی نائب وزیر خارجہ کا سرکاری دورے سے قبل کئی دن نجی نوعیت کے دورے پر گلگت میں گزارنا اور جاری وساری کاموں کا معائنہ کرنا نہایت قابل غور ہے۔ ہم اس قسم کی زیرزمین کارروائیوں کو نظرانداز کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اس پسماندہ علاقے سمیت وطن عزیز پاکستان کو دشمنوں کے دست برد سے محفوظ رکھے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

درس قرآن

# تراث قرآنی اور حیات انسانی

اسماعیل محمد امین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞﴾ (البقرۃ:۲۸-۲۹)

ترجمہ: ''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی پھر تمہیں موت سے ہمکنار فرمائے گا، پھر تمہیں نئی زندگی عطا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہ وہی مبارک ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا فرمائیں، پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنائے، اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔''

## سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

گزشتہ آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفار کے چند بدترین اوصاف اور ذلیل ترین اعمال کے ساتھ ان کی بدانجامی اور ہلاکتوں کا تذکرہ صیغۂ غائب سے فرمایا تھا، زیر تفسیر آیتوں میں بطریقِ التفات اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرماتے ہوئے اِن کافروں پر اظہارِ تعجب کے ساتھ ان کو ڈانٹتے ہوئے فرما رہا ہے۔ ﴿ **كيف تكفرون بالله و** ﴾ [البیضاوی، ایسر التفاسیر للجزائری] پہلی آیت میں ان مخصوص نعمتوں کا ذکر ہے، جو ہر انسان کی ذات اور نفس سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور دوسری آیت میں ان عام نعمتوں کا تذکرہ ہے جن سے انسان اور تمام مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اور وہ انسان کی زندگی اور بقا کے لیے ضروری ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے پہلے زمین اور اس کی پیداوار کا ذکر کیا جس سے انسان کا قریبی تعلق ہے۔ پھر آسمانوں کا ذکر کیا گیا، جن کے ساتھ زمین کی حیات اور پیداوار وابستہ ہے۔ [معارف القرآن]

امام ابن عاشور کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں کا تعلق ﴿ یایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ...... ﴾ سے ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سابقہ آیتوں میں تمام انسانیت پر واضح دلائل کی روشنی میں اپنی بندگی کو ضروری قرار دیا، اس کے باوجود اکثر لوگوں نے اس واضح دعوت کو ٹھکراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ان آیتوں میں اسی بات پر ان کافروں کی توبیخ ہو رہی ہے۔ اور ﴿ یایها الناس اعبدوا ربکم ﴾ اور ﴿ کیف تکفرون بالله...... ﴾ میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں آیتوں کی علتیں اور دلائل معنی کے لحاظ سے متحد ہیں۔ اللہ نے ﴿ یا یها الناس اعبدوا ربکم ﴾ کے لیے علت اور دلیل کے طور پر فرمایا: ﴿ الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ۞ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم ...... ﴾ انہی علتوں کو دوسرے الفاظ میں ﴿ کیف تکفرون بالله ﴾ کے بعد ذکر فرمایا: ﴿ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون ۞ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا...... ﴾ [التحریر والتنویر]

﴿ کیف تکفرون بالله ﴾ میں "کیف" اسم استفہام ہے اور وہ ہمزہ استفہام کے معنی میں ہونے کی وجہ سے فتحہ پر مبنی ہے، کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور ﴿ تکفرون ﴾ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ اور عام طور پر "کیف" کے ذریعے حالت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، لیکن یہاں انکار اور تعجب کے معنی میں ہے۔ [القرطبی، الشوکانی]

"کفر" اصل لغت میں "چھپانے" کو کہا جاتا ہے "اللہ کے ساتھ کفر کرنے" کا مطلب توحید کا انکار اور احکام الٰہی کی تکذیب ہے۔ [ابن العثیمین] اور یہاں ان کافروں کی کفر پسندی پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ربوبیت والوہیت پر اتنے واضح دلائل و براہین ہونے کے باوجود تم نے کفر کا راستہ کیوں اپنایا؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ آگے دلائل دے رہا ہے۔ [البغوی]

﴿ وکنتم امواتا ﴾ میں "واؤ" حالیہ ہے اور اس واؤ کے بعد "قد" پوشیدہ ہے۔ اصل میں "وقد کنتم امواتا" تھا۔ "امواتا" کا لفظ "کنتم" کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور "اموات" میت کی جمع ہے۔ [الشوکانی، القرطبی]

﴿ وکنتم امواتا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جسموں میں روح پھونکے جانے سے قبل تم مُردے تھے۔ اور پیدائش

سے پہلے نطفے اور لوتھڑے کی شکل میں بے جان تھے۔ اور بے جان جسم پر ''میت'' کا اطلاق ہونا درست ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے وصف میں فرمایا: ﴿اموات غیر احیاء﴾[النحل/۲۱]اور زمین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وآیة لهم الارض المیتة احییناها﴾ [یٰس/۳۳- ابن کثیر، ابن عثیمین]

﴿فاحیاکم﴾: پھر اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں روح پھونک کر تمہیں زندگی بخشی اور تم دنیا میں نکل آئے۔ ﴿ثم یمیتکم﴾: پھر تمہاری مقرر کردہ عمر پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تمہیں موت دے گا۔ ﴿ثم یحییکم﴾ پھر قیامت کے روز تمہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ﴿ثم الیه ترجعون﴾: پھر حشر کے بعد تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا، تاکہ تم سے حساب و کتاب لیا جائے، اور تمہارے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے۔ ﴿تُرجَعُون﴾ صیغہ مجہول ہے۔ اس لفظ میں مزید دو قرائتیں بھی ثابت ہیں۔ ﴿یَرجِعُون، تَرجِعُون﴾ دونوں صیغہ معروف کے ساتھ۔ [تفسیر ابن عطیة]

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کفار کو اس بات کا علم تھا کہ وہ پہلے بے جان تھے، پھر زندہ ہوئے، اس کے بعد وہ مر جائیں گے، لیکن قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یہاں اس انداز سے ذکر کیا کہ وہ بھی اس کے ماننے والے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ زندگی اور اللہ کی طرف رجوع کے لیے بہت واضح شواہد پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کیفیت کو ان کے علم کا قائم مقام قرار دیا گیا۔ [البیضاوی]

آیت مبارکہ میں پہلے ﴿فاحیاکم﴾ میں حرفِ عطف ''فاء'' لایا گیا۔ اس کے بعد تینوں جگہ ''ثم'' کے ساتھ عطف کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے جان ہونے کی کیفیت کے بعد پہلی زندگی متصلاً واقع ہوئی، لیکن اس دنیوی زندگی کے بعد موت عموماً کافی عرصے بعد واقع ہوتی ہے، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ بروزِ قیامت زندہ ہونے میں کافی مدت لگتی ہے، اسی طرح حشر و نشر کے بعد حساب و کتاب کا مرحلہ بھی کافی دیر سے آتا ہے۔ اس لیے ان تینوں جگہوں میں حرف عطف ''ثم'' آیا ہے جو کہ اصل لغت میں تراخی (بعد میں اور دیر سے) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ [الشوکانی عن الکشاف]

**آیت مبارکہ میں دو دو مرتبہ موت اور حیات کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی توضیح میں مفسرین کا اختلاف ہے۔**

[۱] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور بہت سارے صحابہؓ و تابعین کی رائے کے مطابق اس سے مراد یہ

ہے: اجسام میں روح پھونکنے سے پہلے تم مردہ تھے، پھر تمہیں زندہ کیا پھر تم پر معروف موت واقع ہوگی پھر تمہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بھی ہے جو کافروں کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ربنا امتّنا اثنتین واحییتنا اثنتین ......﴾ [المؤمن/۱۱] انیز اللہ تعالیٰ نے پہلی حالتِ عدم کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وکنتم امواتا﴾ اور دنیا میں آنے والی موت کو اللہ کا فعل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ثم یمیتکم﴾ یہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتا ہے۔ [ابن عطیة]

[۲] دوسری رائے: ﴿وکنتم امواتاً﴾ سے مراد یہ ہے کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں (اموات) تھے، پھر تمہیں میدان (الست) میں عہد و پیمان لینے کے لیے زندہ کیا، پھر تم پر دنیا میں معروف موت آئے گی، پھر تمہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا۔

[۳] تیسری رائے کے مطابق ﴿ثم یحییکم﴾ دوسری زندگی سے مراد قبر میں سوال کے لیے زندہ کرنا ہے۔

[القرطبی، الشوکانی، ابن کثیر]

آیت کے سیاق کی روشنی میں پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے اسی کو امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، ابن عطیۃ قرطبی، عبدالرحمٰن السعدی اور ابن العثیمین وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔ ورمؤخر الذکر دونوں قول مرجوح ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: اگر ان تمام موت وحیات کے مراحل کو شمار کیا جائے تو بعض اقوال کے مطابق تین تین مرتبہ موت اور حیات، جبکہ بعض اقوال کے مطابق چار چار یا اس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ آیت میں صرف دو موت اور دو زندگی کا ذکر ہے۔ [تفسیر القرطبی]

امام شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کرتے ہوئے بتایا: قبر کی زندگی (جیسی بھی ہو) دنیاوی زندگی میں شامل ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ برزخی زندگی حیاتِ آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے۔ لہٰذا اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔ [احسن البیان]

﴿ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا﴾ پہلی آیت میں ان دلائل قدرت کا بیان ہوا، جو خود انسان کے اندر ہیں اور دوسری آیت میں آسمان اور زمین کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی واضح دلیل ہے اور یہ دونوں نگاہوں کے سامنے ہیں، کوئی پوشیدہ چیز نہیں۔ [ابن کثیر]

﴿ھو الذی﴾ ضمیر "ھو" کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے، جس کا ذکر سابقہ آیت ﴿کیف تکفرون باللہ﴾

میں گزر چکا ہے۔ ﴿خلق﴾ یعنی ''اس نے پیدا فرمایا، عدم سے وجود میں لایا۔'' [الطبری] یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں زمین میں پیدا فرمائی ہیں ان سب کو اپنے علم اور تقدیر کے ساتھ اور عظیم حکمتوں کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔ اور ﴿خلق لکم﴾ میں ''لام'' کے دو معانی ہیں: (أ) یہ اباحت کا معنی ادا کرتا ہے، یعنی جتنی چیزیں زمین میں ہیں، وہ سب تمہارے لیے مباح اور حلال ہیں۔ (ب) یہ لام تعلیل کے لیے آیا ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں کو تمہارے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

﴿ما فی الارض جمیعا﴾ میں ''ما'' اسم موصول بمعنیٰ ''الذی'' ہے، جو عموم کا معنی ادا کرتا ہے۔ پھر اس عموم کی مزید تاکید ''جمیعا'' کے ساتھ کی گئی۔ جس کا معنی یہ ہے کہ زمین میں جتنی چیزیں ہیں، خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان، شجر ہوں یا حجر، سب تمہارے لیے ہیں۔ [ابن العثیمین]

﴿ثم استویٰ الی السماء فسواھن سبع سمٰوٰت﴾ میں ''ثم'' حرف عطف ہے جو ترتیب اور تراخی (دیر) کا معنی ادا کرتا ہے۔ [ابن العاشور] ''استویٰ'' فعل ماضی ہے جس کا مصدر ''استواء'' ہے۔ قرآن کریم میں ''استواء'' تین معنوں میں استعمال ہوا ہے:

(۱) اگر کسی حرف کے ساتھ متعدی نہ کیا گیا ہو تو ''کمال'' کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿ولما بلغ اشدہ واستویٰ......﴾ یعنی ''جب آپ کمالِ جوانی کو پہنچے''

(۲) اگر حرف ''علیٰ'' کے ذریعے متعدی ہو تو کسی چیز پر چڑھنے اور بلند ہونے کا معنی ادا کرے گا۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لتستووا علیٰ ظھورہٖ﴾ [الزخرف/۱۳] ''تاکہ تم ان سواریوں کی پیٹھ پر جم کر سوار ہو جاؤ۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿الرحمن علی العرش استویٰ﴾ [طٰہٰ/۵] ''بیحد رحم والا اللہ عرش پر قائم ہے۔''

(۳) اگر حرف ''الی'' کے ذریعے متعدی ہو تو قصد کرنے اور متوجہ ہونے کا معنی ادا کرے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے زیر تفسیر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿ثم استویٰ الی السماء﴾ [السعدی]

بعض سلفِ امت نے یہاں بھی ''استوی الی السماء'' کا ترجمہ ''پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا'' کیا ہے۔ اسی معنی کو ابن جریر طبریؒ نے ترجیح دی ہے۔ لیکن یہاں یہ معنی درست نہیں، کیونکہ اللہ عرش پر مستوی (قائم) ہے، نہ کہ آسمان پر۔ اور یہاں صحیح معنی مکمل قصد اور بالجزم ارادہ کرنے کا ہے۔ اسی معنی کو حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ ابن العثیمینؒ وغیرہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ [ابن کثیر، ابن العثیمین]

لیکن اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش عظیم پر چڑھنا، مستوی ہونا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی ثابت شدہ صفات میں سے ہیں۔ جن پر اسی طرح بغیر کسی تأویل وتشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے، جیسے قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ [احسن البیان]

جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد فرمایا تو پہلے مرحلے میں آسمان دھوئیں کی شکل میں تھا، جیسے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ثم استویٰ الی السماء وهی دخان﴾ [حٰم السجدۃ/۱۱]

﴿فسواهن﴾ میں ضمیر جمع مؤنث ہے، اس کا مرجع ''السماء'' ہے۔ اس لیے بعض علماء کہتے ہیں جمع ہے اور اس کا مفرد ''سماءۃ'' ہے (الطبری): یہاں ''السماء'' اسم جنس ہے اور جمع کے معنی میں ہے۔ [الشوکانی]

﴿فسواهن﴾ کا مصدر ''التسویة'' ہے، جس کا معنی ہموار، برابر اور اصلاح (درست کرنا) ہے۔ [الطبری]

﴿سبع سمٰوٰت﴾ یہ'' فسواهن ''کی ضمیر سے بدل یا اس کی تفسیر ہے۔ [البیضاوی] یعنی ''انہیں مضبوط اور مستحکم سات آسمان بنائے۔ [ابن العثیمین]

﴿وهو بکل شیٔ علیم﴾ اس کو بطور سبب ذکر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی حقیقت کو جانتا ہے، اس لیے اُس نے کائنات کو انتہائی شاندار اور اکمل وانفع انداز سے بنایا ہے۔ [البیضاوی]

## دونوں آیتوں سے اخذ کردہ اہم فوائد:

**فائدہ [۱]:** ان دونوں آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کفار ومشرکین کو اپنی قدرت کا انکار اور شرک کرنے پر تعجب کرتے ہوئے ڈانٹ رہا ہے۔ کیونکہ اسی نے انسان کو ہر قسم کی سہولیات مہیا کیں۔ اور ہر چیز اس کی وحدانیت پر شاہد ہے۔

**وفی کل شیء له آیة تدل علیٰ انه واحد**

**فائدہ [۲]:** ﴿وکنتم امواتا فاحیکم﴾ کی روشنی میں علمائے کرام کہتے ہیں کہ جب جنین ماں کے پیٹ میں چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے اس میں روح پھونکتا ہے۔ اس مرحلے کے بعد اُسے ''جاندار نفس'' شمار کیا جائے گا۔ اس لیے اگر کوئی حمل چار ماہ سے قبل ضائع ہو جائے تو اس پر زندہ جان کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ یعنی اسے غسل دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا، اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور اسے قبرستان میں دفن کرنے کا اہتمام بھی ضروری نہیں۔ [ابن العثیمین] لیکن اگر بچہ (جنین) چار ماہ کے بعد ساقط ہو جائے، مسلمان کی اولاد ہونے کی **صورت**

میں اس کو غسل دے کر کفن پہنا کر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ [شرح ریاض الصالحین لابن العثیمین ۳/۳۱۱] ایسے بچے پر نماز جنازہ پڑھنے کی مشروعیت حدیث نبوی میں ثابت ہے: ''**السقط یصلیٰ علیه و یدعیٰ لوالدیه بالمغفرة والرحمة**'' [ابو داؤد ۲/۶۵، النسائی ۱/۲۷۵- احکام الجنائز للألبانی ص:۸۰،۷۳ المسئلة: ۵۰،۵۹]

یہ مسئلہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر چار ماہ کے بعد والدین یا ڈاکٹر جنین کو ضائع کر دے تو وہ گناہ کبیرہ (قتل نفس) جیسے سنگین جرم کا مرتکب ہوگا۔

**فائدہ[۳]:** ان مبارک آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے ساتھ انسان کو عطا کردہ انعامات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک بڑی نعمت زندگی ہے کیونکہ جتنی نعمتیں انسان کو حاصل ہیں، ان سے استفادہ اسی پر موقوف ہے۔ ''زندگی'' کا نعمت ہونا تو ظاہر ہے، مگر آیت میں ''موت'' کو بھی نعمت شمار کیا گیا ہے، کیونکہ یہ مؤمن کے لیے ابدی زندگی اور دائمی خوشحالی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ [البیضاوی، معارف القرآن] نیز ایک کافر و فاجر شخص جب مرجاتا ہے تو اس کے شر سے دوسروں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کسی جنازے کو دیکھ کر فرمایا: ''**مستریح اومستراح منه**'' پھر فرمایا: ''**اگر یہ میت مؤمن ہو تو اسے دنیا کی تکلیفوں اور مشقتوں سے راحت ملی ہے، اگر وہ فاجر ہے تو اس سے اللہ کی دوسری مخلوق کو راحت ملی ہے۔**'' [مسلم، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی مستریح او مستراح منه]

**فائدہ[۴]:** مذکورہ آیتوں میں حشر ونشر اور انسان کو دوبارہ زندہ کر کے حساب لینے کے دلائل موجود ہیں:

**پہلی دلیل:** ﴿و کنتم امواتا فاحیاکم﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی بار پیدا فرمایا، تو اس کو موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا اس ذات قوی کے لیے کوئی مشکل نہیں، بلکہ یہ تو انسانی تجربات کے مطابق بھی پہلے کی نسبت بہت ہی آسان ہے۔ اس کی وضاحت دوسری جگہ یوں آئی ہے: ﴿و هو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیده و هو اهون علیه﴾ [الروم/ ۲۷]

**دوسری دلیل:** ﴿ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون﴾ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں تمہیں موت دوں گا، پھر دوبارہ زندہ کر کے ہر ایک سے حساب لوں گا، اور اسی حساب کی روشنی میں تم جزا یا سزا کے مستحق ہوں گے۔

**تیسری دلیل:** ﴿هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسواهن سبع سمٰوٰت﴾ یعنی آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم مخلوقات ہیں، جب اللہ تعالیٰ بڑی مخلوق کو اکیلا ہی پیدا فرماتا ہے تو اس سے چھوٹی مخلوق کو پیدا کرنے پر وہ بالأولیٰ طاقت رکھتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿لخلق السمٰوٰت و الارض

اکبر من خلق الناس ﴾ [غافر/۵۷]

**چوتھی دلیل:** ﴿وھو بکل شیٔ علیم ﴾ **''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''** اور ہر چیز کو پیدا کرنے کا انداز اور طریقہ بھی پوری طرح جانتا ہے، تو ان مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے سے کون سی چیز اسے عاجز کر سکتی ہے؟!

**فائدہ[۵]:** ﴿ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ﴾ آیت مبارکہ میں کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کے کام آئے: ﴿وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعا منہ ﴾ [الجاثیۃ/۱۳] **''اور آسمان وزمین کی ہر چیز کو بھی اُس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔''**

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو کسی نہ کسی حیثیت سے فائدہ نہ پہنچتا ہو، خواہ یہ فائدہ دنیوی ہو یا اس سے عبرت ونصیحت حاصل ہو۔ یہ تمام صورتیں انسان ہی کے مفاد میں ہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں' جن سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے، مگر اس کو خبر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جو چیزیں انسان کے لیے مضر سمجھی جاتی ہیں، جیسے زہریلے جانور وغیرہ، غور کریں تو وہ بھی کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لیے نفع بخش ہوتی ہیں۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں — کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

تفسیر قرطبیؒ میں زہریلے جانوروں کی تخلیق کی حکمت ذکر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہنم کی سزاؤں اور عذاب میں موذی جانوروں کا تذکرہ فرمایا، جب دنیا میں انسان ان چیزوں کو دیکھ لے گا تو اس کے لیے ان خوفناک ودردناک عذابوں سے بچنے کی کوشش کرنا آسان ہو جائے گا۔[القرطبی ، معارف القرآن]

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو بنی نوعِ انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے: ﴿ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ﴾ اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے: ﴿وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ۝ ﴾ [الذاریات/۵۶] ان آیات مبارکہ سے اس موضوع اور من گھڑت روایت کی تردید ہوتی ہے جسے کذاب راویوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان کے واسطے سے خود ربِ ذوالجلال کی طرف منسوب کیا ہے: **''لو لاک لما خلقت الافلاک''** یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو صرف حضرت محمد ﷺ کی خاطر پیدا فرمایا ہے۔ اس کو امام ابن الجوزیؒ، امام صنعانیؒ اور امام البانیؒ سب محققین نے موضوع قرار دیا ہے۔[سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:۲۸۲] جہاں اس کی اسنادی حیثیت نا قابل اعتبار ہے وہاں یہ نص قرآنی کے بھی مخالف ہے۔

**فائدہ[٦]:** ﴿ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ﴾ اس آیت سے علماءِ مفسرین نے ایک اصولی مسئلے کا

استدلال کیا ہے: ''دنیاوی اشیاء میں اصل حکم اباحت ہے یا حرمت؟'' اس مسئلے میں علمائے شریعت کے تین اقوال ہیں:
[۱] اشیاء میں اصل حکم حلت ہے۔ [۲] اشیاء میں اصل حکم حرمت ہے۔ [۳] تمام اشیاء میں شرعی حکم توقف کرنا ہے۔
بہت سے محققین نے اسی آیت سے دلیل لیتے ہوئے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ تمام چیزوں میں اصل حکم حلت اور پاکیزگی ہے، جب تک اس کی حرمت اور نجاست کے بارے میں قرآن وحدیث سے صریح دلیل نہ آ جائے۔ اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ اس میں احسانِ الٰہی کا ذکر ہے اور ''جمیعا'' کی تاکید سے اس استدلال کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔[القرطبی ، ابن عطیة ،الشوکانی ،ابن العربی ،نیل المرام، السعدی ، ابن العثیمین]

**فائدہ[۷]:** دوسری آیت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمانوں سے پہلے پیدا فرمایا۔ اس کی وضاحت لفظ ''ثُم'' سے ہوتی ہے۔ سورۃ النازعات میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿**والارض بعد ذٰلک دحٰھا** ۞﴾ [۳۰] ''**زمین کو آسمان کی تخلیق کے بعد بچھادیا۔**'' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین کی ہمواری اور اس سے پیداوار نکالنے کا عمل آسمانوں کی پیدائش کے بعد واقع ہوا۔ زمین کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہوئی تھی۔ اسی رائے کی تائید کرتے ہوئے ابن کثیرؒ کہتے ہیں: یہ معنی عقلی طور پر بھی زیادہ موزون ہے، کیونکہ ہر عمارت کا نچلا حصہ پہلے تعمیر کیا جاتا ہے، پھر اوپر کی منزل شروع کی جاتی ہے۔ یہی مطلب اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۹-۱۲ میں بیان فرمایا ہے۔ نیز یہی ابن عباسؓ سے بسند صحیح منقول ہے، اور اسی کو جمہور سلفؒ وخلفؒ نے پسند کیا ہے۔ لیکن حضرت قتادۃؒ اور امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آسمانوں کی تخلیق زمین سے پہلے ہوئی ہے۔ ان کے دلائل نسبتاً کمزور ہیں۔[الطبری ، ابن کثیر ، ابن عطیة ، القرطبی ، الشوکانی]

**فائدہ[۸]:** اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے جہاں بہت سے مبارک اسماء اور اعلیٰ اوصاف ثابت ہیں، وہاں بہت سے افعال (صفات فعلی) بھی ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان بے شمار افعال میں سے ایک ''استواء'' کا فعل ہے، جو آیت سے واضح ہے۔[ابن العثیمین] اور اللہ تعالیٰ کی مبارک صفات میں صفت ''اِحیاء'' اور ''اِماته'' بھی شامل ہیں، جو زیرِ تفسیر پہلی آیت اور دوسرے نصوص سے ثابت ہیں۔

**فائدہ[۹]:** آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت احسن انداز میں پیدا فرمایا۔ ارشاد ہے: ﴿فسوٰھن سبع سمٰوٰت﴾ مزید فرمایا: ﴿الذی خلق سبع